ایام عزا نشر و تبلیغ حسینیت کے مخصوص دن ہیں!!

پس چه باید کرد اے افراد قوم؟

مولانا رضی الدین حیدر صاحب قبلہ، بانئ یادگارِ حسینی انٹر کالج، الہ آباد

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ واقعہ کربلا پر بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے اور اب کوئی نئی بات کہنے یا لکھنے کے لئے نہیں رہ گئی ہے لیکن میرے خیال میں ایسا سمجھنا انسانی فکر و نظر کے بدیہی ارتقاء اور آثار حیات سے انکار کر دینا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس واقعہ ہائلہ پر لاکھوں آہیں بھری گئی ہیں اور کروڑوں آنسو بہائے جا چکے ہیں اور لاتعداد کتابیں بے نظیر استدلال کے ساتھ لکھی گئی ہیں وہاں تبسم زیر لب سے لیکر ناپاک قہقہوں کی بھی کمی نہیں رہی ہے اور مغالطوں سے بھری کتنی تصانیف بھی تاریخ انسانی کے اس عظیم اور حق وانصاف کی اس بلند پایہ قربانی کو بے وقعت اور رائیگاں کرنے کی سعئ نامشکور میں ہر دور میں نکلتی رہی ہیں۔ ہنسنے اور لکھنے والوں کی نیت اور عمل دونوں اس بارے میں بالکل واضح ہیں۔ اموی نسل و خیال کے لوگ اپنے ظالم اسلاف کے کارناموں کو صحیح اور حق بجانب ثابت کرنے اور مظلوم کی بے گناہی پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے سارے ہتھکنڈے ہمیشہ استعمال کرتے رہے ہیں اس لئے جب یہ منحوس کوششیں جاری رہیں گی اس وقت تک حق پسند اور انسانیت نواز افراد کے لئے بھی یہ فرض باقی رہے گا کہ وہ دنیا کے سامنے اصل حقیقت کو نمایاں کرتے رہیں اور ہر دور کے ظالموں کی غلط بیانیوں، مغالطوں اور شیطانی پروپیگنڈوں کا پردہ چاک کرتے رہیں۔ یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک انسانی دل، دماغ اور ضمیر حق، انصاف، سچائی، حریت، مساوات اور ایثار وقربانی کی قدر وقیمت نہیں سمجھ لیتا اور شریفانہ خیالات اور معصومانہ احساسات کے ساتھ اس واقعہ کی افادیت کے سامنے اعترافاً سر تسلیم خم نہیں کر دیتا۔

واقعہ کربلا کا اس آفاقی تحریر سے جسے اسلام کہتے ہیں بہت گہرا تعلق ہے اور وہ لوگ جو اس کے وقوع کو عین اسلامی تقاضوں کے نتیجہ میں پیش کرتے ہیں وہ بھی اس لگاؤ سے انکار نہیں کرتے بلکہ ان کا تو کہنا ہی یہ ہے کہ امیر امت اور سربراہ ریاست اسلامی کے مقابلہ میں ہر کھڑے ہونے والے کا خون مباح ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ ہمیں اس نظریہ سے فی الحال بحث مقصود نہیں بلکہ صرف یہ کہنا ہے کہ اس کا دوسرا رخ بھی دیکھنا ضروری ہے۔ آخر وہ کون سے حالات اور حادثات تھے جس کے بعد کسی اور کو نہیں بلکہ آغوش رسالت کے پروردہ حسین ابن علیؑ ایسے گوشہ گیر اور خاموش انسان کو ان اقدامات کے لئے جن میں بظاہر کنبہ بھر کی تباہی تھی، مشیروں اور صلاح کاروں کے صلاح ومشورہ کے خلاف بھی آمادہ ہو جانا پڑا۔ کیا امام کی نظروں میں دین اسلام کی آفاقیت اور اس کے تعلیمات کی سالمیت کو مخالف جماعت کے فکر وکردار سے واقعی کوئی ایسا خطرہ لاحق ہو گیا تھا جس کے تدارک کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اور مختصر سہی مگر ایک جانفروش جماعت کے سامنے آجانے کی اور اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ کوئی معمولی سوال نہیں ہے بلکہ اسی ایک سوال کے جواب پر اسلام کی حقیقی اور نمائشی

حیثیتوں کے تعین کا پورا انحصار ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نظریات کے یہی وہ دو دھارے ہیں جو روز شہادت بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے لیکر آج تک بہہ رہے ہیں۔ انھیں آپ تبلیغ مذہب کا نام دیں یا تلاش و تحقیق کا لیکن بات صرف اتنی ہے کہ ظالم اپنے ظلم کے چھپانے پر بضد ہے اور مظلوم اپنی مظلومیت کو نمایاں کرنے پر مصر۔ طرفین کی یہ کوشش کب اور کیسے ختم ہوں گی اس کی تاریخ و ترکیب معین کرنا ہمارے آپ کے بس میں نہیں۔ ہم سب کے سامنے تو بس یہی ایک سوال ہے کہ ان ہر دو جماعتوں میں سے کس سے منسلک ہونا دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کی ضمانت ہے؟ اور اس کا فیصلہ خود اپنے اپنے عقل، ضمیر اور وجدان پر منحصر ہے۔

اسلامی دنیا میں یہ دونوں گروہ بہت اچھی طرح سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ان میں ایک جماعت پیغمبرؐ اسلام کے گھرانے والوں کی ہے جنھیں اہل بیتؑ کے نام سے دنیا یاد کرتی ہے اور دوسرا گروہ حضور کے نام لیواؤں کا ہے جن میں اصحاب، تابعین، تبع تابعین اور عام افراد امت محسوب کئے جاتے ہیں۔ واقعات کو چاہے جتنا توڑ مروڑ اور گھما پھرا کر پیش کیا جائے اور حدیث و تاریخ پر الحاقی اور غلط ہونے کا خواہ کتنا ہی سنگین الزام کیوں نہ عائد کیا جائے مگر اتنی بات سے تو بہر حال کسی کو بھی مجال انکار نہیں کہ بعد پیغمبرؐ خدا جو بھی ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے اور دل شکن حالات پیش آئے وہ سب اہل بیتؑ اور عام افراد امت ہی کے مابین ظاہر ہوئے، دنیا کے کسی اور دوسرے مذہب عقیدہ اور خیال کے لوگوں سے یہ تصادم نہیں ہوا۔ ایسا ہونا مسلمانوں کی خوش نصیبی تھی یا بد نصیبی ہمیں اس سے بھی سردست کوئی سروکار نہیں البتہ ان حادثات نے فکر و عمل کے دو مختلف زاویئے ضرور معین کر دیئے اور ایسا ہونا حالات کی تدریجی رفتار کا قہری نتیجہ تھا جو سامنے آیا۔

واقعہ کربلا بھی انھیں افسوس ناک حالات کے سلسلے کی ایک نمایاں کڑی ہے جس کے بارے میں شروع ہی سے موافق و مخالف خیالات و نظریات کا خام مواد جمع ہوتا رہتا ہے لیکن سلیقۂ تحریر کی خامی رہی ہو یا وقت و ماحول کا اثر کہ اس دور کے مذہبی لٹریچر پر خالص مناظرانہ رنگ چڑھا ہوا ہے جسے آج کل پسند نہیں کیا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ جب ایک مدت کے بعد صاف اور سیدھی باتوں کو بھی شاطرانہ طرز تحریر اور عیارانہ طریقہ استدلال کے سانچوں میں ڈھال کر لکھنے کی کچھ مہارت پیدا ہوگئی تو اب ان کوششوں کو بعض علمی حلقوں سے بھی سراہا جانے لگا۔ اس کی تازہ ترین مثال ''خلافت معاویہ و یزید'' اور پھر اسی سلسلہ کی ''تحقیق مزید'' ہے ان تصانیف کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ ابل پڑا اور بعض علمی حلقوں سے جوابی تصانیف بھی شائع ہوئیں۔ احساسات اسلامی کے اس دور زوال و اضمحلال میں اکثریت کا اس بیداد پر بلبلا اٹھنا درحقیقت ایک فال نیک ہے اور اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ نام حسینؑ پر آج بھی اتحاد اسلامی کی دعوت کامیاب بن سکتی ہے۔ بہر حال جس سے جو ہو سکا اس نے کیا مگر زیادہ تر ان کتابوں کو صرف ناپاک کوشش، ملعون تحریر اور رسوائے زمانہ کتاب ہی کہنے پر اکتفا کی گئی اور بس! ان تصانیف کے اس زہریلے اثر کو زائل کرنے کے لئے کسی ایسے تریاق کی تلاش ضروری نہیں سمجھی گئی جو نئی نسلوں کے لئے مفید ہو سکتا۔ اسباب خواہ کچھ ہوں مگر علم و مذہب سے بیگانگی کے نتیجہ میں اتنی بات تو بہر حال یقینی ہے کہ آنے والی نئی پود اسلام اور اسلامیات کے صحیح تصور سے قطعاً نابلد ہوگی اور جب ان کے سامنے ایسی خطرناک، غلطیوں اور مغالطوں سے بھرپور کتابیں سامنے آئیں گی تو وہ اصل اسلام ہی کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرنے سے قطعاً معذور ہوں گے۔

یہ کام دراصل ہمارے علماء کا تھا اور ہے مگر افسوس کہ اسی طبقہ کی اکثریت بھی اب بری طرح دنیاوی سیاست اور مادی سیاست کا شکار ہو کر علم و عمل کے حقیقی مفہوم سے بہت دور ہو چکی ہے۔ نتیجہ میں ان کے اندر بھی ذہنی افلاس کی بہتات اور روحانی تصرفات سے محرومی کے آثار و علامات آشکار ہیں۔ بخدا آج بڑا

عبرت ناک ماحول ہمارے سامنے ہے۔ کچھ علماء ایسے ہیں جن کا دامن فکر وعمل محض ''قال'' کی حدوں تک پھیل کر رہ جاتا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ لیکن زمانہ اب صرف اسی ایک بات کا نہیں رہ گیا ہے۔ جہاد لسانی کی خاطر محض رونق محراب ومنبر بننا کافی نہیں بلکہ آج تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ''قلم درکف دشمن'' کو شکستہ کردیا جائے۔

قدیم اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے ہمیں ایک بات اور معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سواد اعظم کے نزدیک اسلام کی مخصوص نزاعی شخصیتوں کے بارے میں ''کف لسان'' سے کام لینے کی ہدایت مناسب تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ان ہستیوں کے بارے میں لب کشائی کا حق نہیں پہونچتا، بہرحال وہ قرن اولیٰ کے مسلمان تھے، انھوں نے پیغمبرؐ کا زمانہ دیکھا تھا وغیرہ وغیرہ یعنی یہ خصوصیات احترام وادب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور تاریخی نزاع اور اختلاف کے موقعوں پر بھی رائے زنی کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سکوت کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان واقعات کے لئے کبھی خطائے اجتہادی اور کبھی مصالح سیاسی کی اصطلاحات وضع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرحال اصولی طور پر ہم چاہے اس سے اختلاف کریں مگر یہ ایک احتیاط والی پالیسی تھی جس پر آج بھی اکثریت عمل پیرا نظر آتی ہے۔ مگر ادھر کچھ عرصہ سے مسلک بدل رہا ہے اور اب جو کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں وہ ان قدیم تصانیف سے بالکل مختلف ہیں۔ آج کے اہل قلم بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم اور ان کے کرتوتوں کو چھپانے یا سبک کرنے کے بجائے انھیں حق بجانب اور صحیح ثابت کرنے میں مصروف ہیں۔ آج یہ کوشش نہیں ہے کہ انھیں الزامات سے بری کرنے کے لئے اصطلاحات کا سہارا لیا جائے بلکہ آج تو سارا زور علم وقلم اس بات پر صرف کیا جارہا ہے کہ ان لوگوں کو اہل بیتؑ کے مقابلہ میں افضل وبرتر ثابت کردیا جائے۔ اور اہل بیتؑ کے روحانی اعزاز و وقار کی مسلمہ عمارت کو مسمار کر کے اس جگہ پر ان کے مخالفین کے فضائل وکمالات کا قصر بلند کردیا جائے۔ اس مقصد نامقبول میں کامیابی کے لئے وہ لوگ اہل بیتؑ کی شان میں ہر ناروایات اسلام دشمن مورخین کی کتابوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیش کررہے ہیں اور اس سعیٔ نامحمود پر تحسین وآفریں کا شور بلند ہے اس سے بڑا ستم اور کیا ہوگا؟ اگر غور کیجئے تو یہ عمل محض ''تا بہ تپ راضی شوذ'' والی بات نہیں ہے بلکہ تیرہ چودہ صدی کے متفقہ اسلامی عقیدہ اور نظریہ کی مستحکم بنیاد کو نیست ونابود کردینے کا سامان ہے جس پر جامعہ اسلامی کی تعمیر کی گئی تھی اور محبت اہل بیتؑ کو فرض قرار دیا گیا تھا۔ ان بدعات ومحدثات سے دنیائے اسلام کو واقعی کیا نقصان عظیم پہونچے گا۔ اس کے احساس ہی سے روح لرز اٹھتی ہے۔ اور ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ ان ہاتھوں سے ہورہا ہے جن سے پیغام ربانی اور دعوت روحانی کے علم ونشان کی سربلندی کے لئے توقع کی جاسکتی تھی مگر

سعدی از دست خویشتن فریاد!

اسلام کے نام لیوا اور کلمۃ اللہ کے دعوے دار آج نرالے انداز میں حق اسلامی اور فرائض روحانی ادا کررہے ہیں۔ اور خوش ہیں کہ اس طرح گویا وہ دین ومذہب کی کوئی بڑی ٹھوس خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہ جہل آمیز علم آنکھوں کے سامنے ایسا حجاب اکبر بن گیا ہے کہ اب ان کی نظریں، غیر مسلمین کی تبلیغی سرگرمیوں پر بالکل نہیں پڑتیں جو اسلام کی بیخ کنی اور اپنے عقائد وخیالات کی ترویج کے لئے زوروں پر جاری ہیں۔ عیسائی مبلغین خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی بدنصیبی اور باہمی چپقلش کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ذیل کے واقعات سے آپ کچھ اندازہ کرسکیں گے کہ کام کرنے والے کیا اور کیسے کررہے ہیں۔

۱۸۹۲ء میں اسٹگارٹ میں ایک ایسی فرم قائم کی گئی تھی جو عیسائی مذہب کے پروپیگنڈہ کے لئے مذہبی لٹریچر اور مواد کی اشاعت کرتی تھی اب تک اس ایک فرم نے دنیا کے مختلف حصوں میں تقریباً چار کروڑ پچاس لاکھ جلدیں بائبل کی تقسیم کی ہیں اور آج کل یہ فرم ایشیا اور افریقہ کی اٹھارہ زبانوں میں بائبل کے تراجم کی

ایک وسیع پیمانہ پر اشاعت کا کام انجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ نابینا لوگوں کے لئے بائبل کا ایک نسخہ ۳۵ جلدوں میں بھی شائع کیا گیا ہے جس کو جدید سائنٹفک طریقہ تعلیم کے سہارے اندھوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ فرم نے ایک عجائب گھر بھی قائم کیا ہے۔ جس میں بائبل کی تین ہزار ایسی جلدیں فراہم کی گئی ہیں جو دنیا کی سوز بانوں میں شائع ہوچکی ہیں۔ کتابوں کے اس عجائب گھر میں بائبل کا ایک چھوٹا نسخہ بھی انگریزی زبان میں موجود ہے جس کا حجم اور سائز صرف دیا سلائی کے برابر ہے۔ عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں کا دوسرا واقعہ روزنامہ سیاست جدید کانپور کی ۲۳/اپریل ۶۳ء والی اشاعت میں ملاحظہ کیجئے جس میں امیر مجاہد پاکستان مولانا محمد شفیع کے ایک بیانی حوالہ سے کہا گیا ہے کہ امریکی حکومت نے پاکستان میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے دو ارب روپئے مشنریوں کی معرفت صرف کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ خبر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہاں بہت سے نوجوان آئے دن عیسائی بنتے جارہے ہیں۔ دیکھا آپ نے اس مملکت اسلامی میں جس کے رقبہ اور وسعت پر ناز کیا جاتا ہے اور جہاں ''خلافت معاویہ ویزید'' اور ''تحقیق مزید'' جیسی تاریخی و تحقیقی کتابوں کے شائع ہونے پر فخر کیا جاتا ہے۔ کیا ہورہا ہے؟ اور دیکھا آپ نے دوسرے مخلص اور بافہم مذہبی کارکن طبع انسانی کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے کیا کیا طریقے ایجاد و استعمال کررہے ہیں۔

جب ہم اپنوں پر نظر کرتے ہیں تو شرم کی وجہ سے سر جھک جاتا ہے۔ جو قوم کربلا کا ایسا دلدوز واقعہ جس میں انسان اور انسانیت کے جملہ کمالات کی تلقین و درس مضمر ہو اور جس میں ہر انسانی دل میں گھر کرلینے کی صلاحیت موجود ہو، صرف اپنے تصور میں رکھ کر خواب غفلت میں مبتلا ہو وہ تصدیق و تبلیغ کی منزلوں میں پیچھے نہ رہ جائے گی تو کیا ہوگا؟ کیا پوری ملت کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے رقم بکف اور قلم بدست رضا کارانہ طور پر اٹھ کھڑی ہو مگر وہ تو خدا بھلا کرے امامیہ مشن کے اس جوان ہمت مرد پیر کا جس نے یہ قومی ذمہ داری تن تنہا اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھائی ہے اور جس طرح بن پڑتا ہے ملت کے کچھ قابل قدر معاونین اور ہمدردوں کی بدولت اس کام کو چلا رہا ہے۔ دنیا کے دوسرے تبلیغی اداروں کے مقابلہ میں اس مشن کی کیا حیثیت ہے اور اس کا حلقۂ عمل کتنا ہے، یہ ہم میں سے ہر ایک کے سوچنے کی بات ہے۔ لیکن جہاں تک مشن کی آواز پہونچ سکی ہے وہاں کم از کم اسلام اور اس کے تعلیمات کو سمجھنے کے لئے اہل بیتؑ کا نقطہ نظر بھی ضرور سامنے آ گیا ہے۔ کچھ اور نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ ذہن اس امر کی طرف بھی متوجہ ہوگئے ہیں۔ کہ تیر و تفنگ اور شمشیر وسناں سے ہٹ کر بھی اسلام کو سمجھنے اور پرکھنے کا ایک اور راستہ بھی ہے اور وہ راہ ہے پیغمبرؐ اور صحیح وارثان پیغمبرؐ کے حسین ترین سیرت و کردار کی راہ، جس میں حقیقت فہمی کے لئے فطرت انسانی پر کسی خارجی دباؤ اور جارحانہ برتاؤ سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ معصومانہ علم اور مظلومانہ عمل سے انسانی فطرت کے ان لطیف گوشوں کو چھیڑ دیا جاتا ہے جہاں خالق فطرت کی ودیعت کردہ ہر ضمیر میں نہ وہ صلاحیت چھپی رہتی ہے جو نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت کرنا سکھاتی ہے۔

اب بات آ ہی گئی ہے تو کہہ دوں کہ امامیہ مشن کوئی تجارتی ادارہ نہیں۔ اس کے مفہوم میں دور دور بھی کہیں فلاح مادی اور مفاد شخصی کا تصور نہیں۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ اقوال و افعال اور سیرت و کردار محمدؐ و آل محمدؐ کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچادے تاکہ دنیا کے لوگ اسلام کو اس کے صحیح خدوخال کے ساتھ دیکھ لیں اور بس! وما علینا الا البلاغ! اور یہی دعوت اسلامی کا مقتضا اور دینی تبلیغ کا مدعا ہے۔ اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے یہ دیوانۂ مقصد کے سوچنے کی بات نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا واہمہ کا اثر اور بے عملی کے لئے ایک بہانہ ہے اور کچھ نہیں ایک کامیاب نتیجہ تو خود حسن عمل کا وہ حاصل ہے جو طمانیت قلب اور روحانی مسرت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

مشن کی گذشتہ رپورٹوں کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۵۵/پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

اللہ اکبر! وہ کربلا کا بن، فوجوں کا محاصرہ، تین دن کی بھوک پیاس، امکاناتِ صلح کا ختم ہوجانا، شب عاشور کی ہولناک ساعتوں کا گذر جانا، جنگ سر پر، پھر وہ ذوق عبادت، شوق جانبازی اور اس عالم میں شاہزادے کا خشک زبان سے آواز بلند کرنا، رسولؐ کا لب ولہجہ، وہی آواز، وہی زور حقانیت!

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے ثبوت حقانیت میں امام حسین علیہ السلام خود رسولؐ خدا کو پیش کررہے تھے۔

دوسرا موقع وہی رجز کا تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے، اس کا اعادہ کرنا مقصود نہیں لیکن زور بیان، آہنگ اور شان ادا جو حق گوئی، حق آموزی، حق کوشی اور حق پرستی کے شایان!

انداز گفتگو اور لب ولہجہ مل جانا تو عام طریقہ پر انسانوں میں ہوتا ہے لیکن اعلائے کلمۃ الحق میں ہم آہنگی اور آواز صداقت پر آواز دینا یہ وہ خصوصیت تھی جو صرف شاہزادے کی ذات سے وابستہ تھی۔

مجھے احساس ہے کہ بعض حلقوں میں میرا یہ مضمون اس طرح دیکھا جائے گا کہ لفظی موشگافیوں سے خواہ مخواہ طومار پر باندھا گیا ہے اور حقیقت اس قدر ہے کہ جناب علی اکبرؑ صرف جسمانی حیثیت سے جو حضرت مصطفیٰؐ سے بہت زیادہ مشابہ تھے لیکن جب مناجات کے الفاظ ''**برسولك**'' اور **بنبيك** میری نگاہ کے سامنے آتے ہیں تو میں غور کرتا ہوں کہ یہاں ''جد'' اور ''محمدؐ'' کے الفاظ بھی استعمال ہوسکتے تھے پھر اگر کسی دوسرے شخص کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوتے تو میں سمجھتا کہ رو میں رسولؐ اور نبیؐ کہہ گیا لیکن خود مناجات کا طریقہ اور امامؑ کی زبان اس کی ضمانت ہیں کہ ہر لفظ سکون نفس اور اطمینان قلب کا آئینہ دار ہے یعنی رسولؐ اور نبیؐ کے لفظوں کے استعمال میں خود ایک ندرت ہے بایں معنی کہ مشابہت کا تعلق لفظ رسولؐ سے رکھا گیا ہو کیونکہ وہ عالم ظاہر میں محسوس ہونے والی چیزیں تھیں اور رسولؐ ایک نمائندہ الٰہی ہوتا ہے جبکہ عالم ظاہر میں آجائے لیکن نبیؐ اور وہ بھی خاتم النبیینؐ کا ایسا نبی! جو ہمیشہ سے نبی تھا اور ہمیشہ رہے گا لہٰذا جب اشتیاق زیارت کا ذکر آیا تو نبی کہا گیا کیونکہ زیارت کرنے والا نقل سے اصل کی جانب اپنے احساسات اور ذوق نظارہ کو منعطف کررہا ہے اور اس میں صورت شکل عادات واطوار رفتار وگفتار سب چیزیں رہنمائی کریں گی اصل کی رفعت اور بلندی کی طرف خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، عام مشاہدے میں آسکتی ہو یا اس کے علاوہ، اور مجازی ہو یا حقیقی تصویر کا کمال یہی ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ ہستی اپنے پورے خط وخال کے ساتھ نگاہوں میں پھرنے لگے جس کی وہ تصویر ہو۔

(ماخوذ از سرفراز لکھنؤ (شبیہ پیغمبر نمبر) محرم ۹۷ ۱۳ھ ص ۱۳۰ تا ۱۳۶)

❁❁❁

(صفحہ ۴۸ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

ہمدردان مشن کا حلقہ ہر سال وسیع ہورہا ہے اور یہ بات مشن اور ملت دونوں کے لئے ایک فال نیک ضرور کہی جاسکتی ہے لیکن اس ہمہ گیر توجہ اور دلچسپی کا اب بھی فقدان ہے جو ہر فرد قوم میں پیدا ہوجانا چاہئے تھی۔ مظلوم کے خون ناحق کی نشر وتبلیغ کا کام واقعی بہت عظیم ہے اور اسے جس پیمانہ تک بھی پہونچا دیا جائے پھر بھی کوششوں کی تنگی داماں کی شکایت رہ جائے گی۔ دنیا کی کتنی ایسی زبانیں ہیں جن میں مشن کے کسی ایک رسالہ کا بھی ترجمہ نہیں ہوسکا ہے۔ اور وہاں کی دنیا محمدؐ وآل محمدؐ کے تعارف سے محروم ہے۔ اگر مشن کے یہی چھوٹے چھوٹے رسالے ان زبانوں میں بھی منتقل ہوسکتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر مشن نئے کتابچوں کے بجائے اب اپنے مفید اور مقبول رسائل کے تراجم کی طرف زیادہ توجہ دے تو یہ زیادہ مفید خدمت ہوگی۔ اس وقت کی پیاسی پریشان دنیا آب حیات کی تلاش میں ہر تختہ سراب کی طرف دوڑ جاتی ہے اگر واقعی اسے ایک ایسے سرچشمہ کی نشان دہی کردی جائے جہاں ایک بار لب تر کر لینے کے بعد پھر ابداً تشنگی دور ہوجاتی ہے تو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ پھر وہ ایسے ساحل مراد پر پہنچ کر وہاں سے ہٹنا کبھی پسند نہیں کرے گی۔ ہاں البتہ ان بدبختانِ ازلی کی اور بات ہے جو اسی شاخ کو کاٹ رہے ہیں جس پر خود بیٹھے ہوئے ہیں۔!!

(ماخوذ از سرفراز محرم نمبر لکھنؤ، ۸۳ ۱۳ھ، صفحہ ۱۱۱)

❁❁❁